دِل کے دریچے میں

صدف آصف

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام

قسط نمبر ۱

دل کے دریچے میں

صدف آصف

سفینہ نے جیسے ہی دبیز پردے سمیٹ کر ایک طرف کیے، سورج کی کرنوں نے شفاف گلاس وال سے منعکس ہو کر ڈائننگ ہال کو جگمگا دیا۔ اس نے شیشم کی لکڑی سے بنی ہوئی خاندانی ڈائننگ ٹیبل پر ڈسٹر پھیرا' کرسیاں طریقے سے سیٹ کی اور پورے ہال پر ایک طائرانہ نگاہ ڈال کر مسکرادی۔ سب لوگ تھوڑی دیر میں یہاں پہنچنے والے تھے تاکہ مل جل کر ناشتہ کیا جاسکے۔ آج چھٹی کا دن ہونے کی وجہ سے اس ڈائننگ ہال کی قسمت جاگ گئی تھی' ورنہ باقی دنوں میں تو یہاں صرف یادِ ماضی گردش کرتی۔

گھڑی نے نو بجائے، سفینہ نے منتظر نگاہوں سے داخلی دروازے کی جانب دیکھا، لحہ بھی نہ گزرا کہ ابرار خان سفید کرتا پائجامے میں قیمتی چھڑی تھامے اپنے دونوں بیٹوں جلال خان اور بہزاد خان کی معیت میں آہستہ آہستہ چلتے ہوئے اندر داخل ہوئے۔

"السلام علیکم' دادا جان! آپ یہاں بیٹھیں۔" سفینہ نے مشترکہ سلام کیا اور مسکرا کر ابرار خان کو کرسی پیش کی، گھر کے سربراہ ہونے کی حیثیت سے ہمیشہ ان کے لیے درمیان میں رکھی سب سے اونچی اور آرام دہ کرسی مختص کی گئی تھی۔

"بیٹی! جلدی سے اپنے ہاتھوں کا مزیدار ناشتہ کرادو ورنہ تمہاری تائی تو پورے ہفتے پراٹھے نہیں پاپڑ کھلاتی ہیں' قسم سے کھاتے ہوئے دانت ہل جاتے ہیں۔" جلال خان نے حفظ ماتقدم کے طور پر پہلے دروازے کی جانب دیکھا، پھر بھتیجی کے کان میں شرارتی انداز میں سرگوشی کی۔ وہ ٹیبل پر ناشتے کے لوازمات سجاتے ہوئے کھلکھلائی۔

"اوہ! تو آج محترمہ جیت گئیں۔" سفینہ کی ہنسی کی کھنک پر اندر داخل ہوتے، فائز کے دل میں گدگدی سی ہوئی، وہ زیرلب بڑبڑایا اور ماں کی غیر موجودگی کا فائدہ اٹھا کر بے قراری سے اندر جھانکا، صبح کی تازہ فضا میں اس کا حسن پھوٹا پڑ رہا تھا۔

"تایا جان! آج تو میں نے آپ کی پسند کے خاص آلو میتھی کے پراٹھے بنائے ہیں۔" سفینہ نے بھی مسکرا کر جواب دیا۔ اس میں عام لڑکیوں جیسی کوئی چالا کی نہیں تھی، وہ مزاجاً ایک سیدھی سادی محبت کرنے والی لڑکی تھی۔

"ریحانہ کہاں رہ گئی' جلدی آجاؤ۔" بہزاد خان نے باپ کو دوسری بار گھڑی کی جانب دیکھتا پایا تو تیزی سے اٹھے اور ہال کی دیوار پر لگے انٹرکام سے بیوی کو ہدایت دی جو اوپر والے فلور پر موجود تھیں۔ ریحانہ نے ناشتے کا باقی سامان ٹرے میں رکھا اور بیزاریت سے سیڑھیوں کی جانب بڑھیں۔ انہیں چھٹی والے دن کی یہ بھاگ دوڑ ذرا نہیں بھاتی، مگر اس معاملے میں بیٹی اور شوہر نے ایسا ایکا کیا کہ وہ اکیلی پڑ گئیں سو خاموشی اختیار کرنی پڑی۔

"سفی بھی نا...... یہ نہیں کہ نگاہ اٹھا کر ادھر بھی دیکھ لے مگر اسے تو بڑوں کے سامنے نمبر بنانے سے ہی فرصت نہیں ملتی۔" فائز نے اسے دل لگا کر دیکھتے ہوئے پیار سے سوچا۔

سبز اور سفید سوٹ میں ملبوس، لمبے گھنے سیاہ رنگ کے بال کیچر میں قید ہونے کے باوجود لٹوں کی صورت میں شہابی چہرے کے گرد گھیرا ڈالے اٹھکیلیاں کر رہے تھے، درمیانہ قد نازک سراپا، سنہری جھیل سی گہری آنکھیں، وہ ہجوم میں بھی یکتا دکھائی دیتی، فائز خان کا دل ایسے ہی اپنی کزن پر نہیں جا اٹکا تھا۔

''یہاں کھڑے کیا کر رہے ہو۔ چلو جا کر کچن سے آلو کی بھجیا کی ڈش اٹھا کر لاؤ۔'' سائرہ جلال اپنے بھاری بھرکم وجود کو گھسیٹتی بمشکل ہال کی طرف بڑھیں تو بیٹے کی مدہوشی پر ایک دم جل گئیں، چیخ کر ہدایت دی تو وہ گھبرا کر اندر کی جانب بھاگا۔

''اس مصیبت سے جانے کب جان چھوٹے گی۔'' سائرہ نے دانت کچکچا کر سفینہ کو گھورا جو بہت تروتازہ دکھائی دے رہی تھی۔

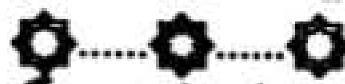
''سائرہ! بھئی جلدی کرو۔'' جلال خان نے بیوی کو اندر آتے دیکھا تو بولے، سفینہ نے تائی کے ہاتھ سے ٹرے تھامی۔

''تو مجھے کیوں سنا رہے ہیں، میں تو آ گئی، کچھ اوپر والوں کو بھی یاد دہانی کروا دیا کریں۔'' سائرہ نے شوہر کو خشمگین نگاہوں سے گھورا تو انہوں نے ڈرنے کی ایکٹنگ کی۔ سفینہ ہنس دی گویا سائرہ کے غصے کو سوا نیزے تک پہنچا دیا۔

''تم کھڑی کیا ہی کر رہی ہو۔ جاؤ جا کر ماں کا ہاتھ بٹاؤ۔ نو بجنے والے ہیں۔ ابا جان کو بھوک لگ رہی ہوگی۔'' سائرہ نے سسر کا بہانہ بنا کر اسے جھاڑا تو اس کا چہرہ اتر گیا۔

سفینہ کے لیے سائرہ کا ایسا رویہ نہ صرف بہزاد، ریحانہ بلکہ فائز اور جلال کو بھی بہت ناگوار گزرتا مگر گھر کا ماحول ٹھیک رکھنے کے لیے اکثر نظر انداز کر دیا جاتا۔

سب سے محبت کرنے والے، جمال خان کے دل میں اپنی بھتیجی کے لیے بہت گنجائش تھی، کبھی کبھی تو وہ اپنے اکلوتے بیٹے پر بھی سفینہ کو فوقیت دے جاتے، بس یہ ہی بات سائرہ اور ان کی ماں دلشاد کے لیے ناقابل برداشت تھی۔



''اماں! آپ کی بہو نجانے کن چکروں میں ہے، چپکے چپکے فون پر لگی رہتی ہے۔'' رانی نے پونچھا مارتے ہوئے رازداری سے کہا اور دلشاد بیگم کے دل میں وسوسے جگائے۔

''اچھا ایسی کون سی بات ہے؟ تم پتا کرو نا۔'' دلشاد کے پیٹ میں مروڑ اٹھا۔

''میرے کو کیا پتا' بہو رانی ویسے بھی انگلس (انگلش) میں جنے کیا گٹ پٹ کرتی ہے، میری مت ہی ماری جاتی ہے۔ ویسے بھی مجھے دیکھ کر ایک دم خاموش ہو جاتی ہے۔'' رانی نے دانتوں کی نمائش کی اور پونچھے کی بالٹی اٹھا کر چل دی۔ اس کا کام پورا ہو چکا تھا۔

''نرما اب کون سے چاند چڑھائے گی۔'' دلشاد بانو سر پر ہاتھ رکھے نئی سوچ میں مبتلا ہو گئیں۔

سائرہ کی ماں دلشاد بیگم کے گھر میں کام کرنے والی ماسی رانی بہت منہ چڑھی تھی۔ جس دن سے شکیل اور پرشفٹ ہوا تھا۔ رانی کو نرما کی جاسوسی پر معمور کر دیا گیا، دلشاد خود تو جوڑوں کے درد کی دائمی مریضہ تھیں۔ اسی وجہ سے بار بار بہو پر نگاہ رکھنے کے لیے اوپر جانا محال ہو جاتا۔

کچھ سوچ کر انہوں نے رانی کی مٹھی گرم کی اور وہ بڑی بی کو پل پل کی خبریں، پہنچانے لگی، آج بہو رانی کتنے بجے سو کر اٹھیں، وہ دن میں کتنی بار میکے فون کرتی ہیں، شاپنگ پر گئی تھی تو کتنے پیسے خرچ کر کے آئیں۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ وہ ان کے بیٹے شکیل کو کیسے دبا کر رکھتی ہے وغیرہ وغیرہ۔ یہ سب سن کر دلشاد کلستی رہتیں۔

''آج کل کی لڑکیاں تو ہواؤں سے باتیں کرتی ہیں۔ سسرال والوں کو تو کچھ سمجھتی ہی نہیں پتا نہیں نرما نے کون سا نیا چکر چلایا ہوا ہے میرا تو دل ہول رہا ہے۔'' دلشاد بیگم نے فوراً ہی بیٹی کے گھر فون گھما کر نئی خبر فراہم کی۔

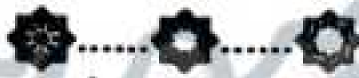
''اُفوہ..... اماں کیوں پریشان ہوتی ہیں۔ ایسی کوئی بات نہیں ہوگی اور یہ رانی چمار، آپ سے پیسے اینٹھنے کے چکر

میں بلاوجہ باتوں کو بڑھا چڑھا کر بیان کرتی ہے۔'' سائرہ نے چڑ کر ماں کو جواب دیا، ادھر ناشتے کی ٹیبل پر سب چائے کا انتظار کررہے تھے، اس پر دلشاد نے صبح صبح بیٹی کو فون کھڑ کھڑا دیا۔ کوئی اور وقت ہوتا تو وہ بھی ماں کے ساتھ مل کر بھابی کے بخیے ادھیڑتی، مگر ابھی ذہن اندر اٹکا ہوا تھا۔

''بیٹا! شکیل تیری بات بہت سنتا ہے، تو اسے کرید ے گی تو شاید بتادے، مجھے ایسا لگ رہا ہے کہ کوئی بات تو ہے، بہو بھی روز بن ٹھن کر نکل جاتی ہے، خوب شاپنگ ہورہی ہے۔'' دلشاد نے لجاحت سے کہا تو سائرہ کو ماں پر ترس آ گیا۔

''اچھا اماں...... آپ فکر نہ کریں۔ شکیل سے ایک دو دن میں بات کرتی ہوں۔ اب فون رکھیں وہاں ناشتے کی ٹیبل پر ہلا مچ گیا ہوگا۔'' سائرہ نے ٹی پاٹ میں چائے دم کرتے ہوئے جلدی سے ماں سے اجازت طلب کی اور دل ہی دل میں رانی کو کوسنے لگی۔

رانی موقع پرست عورت تھی، اس نے شروع میں ہی پرکھ لیا تھا کہ اس گھر کی ساس بہو میں بالکل نہیں بنتی اپنی غلط سلط رپورٹنگ سے دونوں کے دلوں میں موجود کینہ کو بڑھا دیتی۔ ان سے پیسے بٹورتی، دونوں کو جلتا بھنتا چھوڑ کر خود عیش کرتی۔ حالات پہلے ہی کافی خراب تھے، رانی کی مہربانی سے ان دونوں میں بات چیت تک بند ہوگئی تھی۔



''ہمارے پڑوسی صفدر حسین کی بڑی بیٹی شازیہ کی شادی ہے۔ وہ کل دعوت نامہ دینے آئے تھے۔'' ابرار خان بظاہر اپنے دونوں بیٹوں کی طرف دیکھ کر کہا، مگر وہ ہال میں موجود تمام نفوس سے مخاطب تھے۔

''جی ابا جی! ہم سب کا بلاوہ آیا ہے۔'' جلال نے باپ کے سامنے رکھا سنہرا جھلملاتا، عروسی کارڈ اٹھا کر پڑھتے ہوئے بتایا۔

''یہ کیا بات ہوئی انہیں ہمیں الگ الگ کارڈ دینے چاہیے تھے۔'' سائرہ نے کپ میں چائے نکالتے ہوئے عادت کے مطابق اعتراض کیا۔

''بھابی! اس سے پہلے کبھی الگ کارڈ آیا ہے ہمیشہ سے سب ابا جی کے نام پر تو کارڈ بھیجتے ہیں۔'' بہزاد نے بڑی بھابی کے اعتراض کو مسترد کیا اور بیوی کو بھی خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔

''ہونہہ......'' ریحانہ جو اس بحث میں حصہ لینا چاہ رہی تھیں دل مسوس کر رہ گئیں۔ ابرار خان نے دونوں بہوؤں کے تیور دیکھے اور ٹھنڈی آہ بھری۔

''کچھ بھی ہو ایسے بے تکے بلاوے پر میں تو نہیں جانے والی، سب کو پتا ہے، اس گھر میں دو فیملی رہتی ہیں مگر پھر بھی......'' سائرہ کی وہ ہی ضد، چائے میں چینی ملاتے ہوئے، فیصلہ کن انداز اختیار کیا۔

''مما! اس بات سے کیا فرق پڑتا ہے۔'' فائز نے بےزار ہو کر ماں کو ٹوکا، جو بلاوجہ کا تنازع نکال بیٹھیں تھیں۔

''ہم نے محسوس کیا ہے جب بھی چھٹی والے دن سب مل جل کر ناشتہ کرتے ہیں تو بڑی یا چھوٹی بہو کوئی ایسی بات نکال کر بحث شروع کردیتی ہیں، جس کا کوئی مقصد نہیں ہوتا، سوائے ماحول کو گھمبیر کرنا اور ساتھ بیٹھنے کی خوشی غارت کرنا۔ اب کسی کے کارڈ دینے پر بھی بلاوجہ کا تنازع۔'' ابرار خان ناشتہ چھوڑ کر غصے سے ایک دم کھڑے ہو کر گرجے۔

''ابا جی! پلیز بیٹھیں آپ نے تو ابھی کچھ کھایا بھی نہیں۔'' بہزاد اور جلال نے جلدی سے بڑھ کر باپ کو کرسی پر بٹھایا اور دلیہ کا پیالہ ان کے نزدیک کیا۔

''ابا جی! میں تو......'' سائرہ نے اپنا موقف بیان کرنا چاہا کے جلال ان پر چیخ پڑے۔

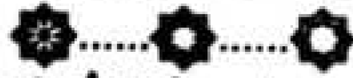
''بس چپ ہو جاؤ اب ایک لفظ بھی منہ سے نکالا تو مجھ سے برا کوئی نہیں ہوگا۔'' وہ شوہر کی ڈانٹ پر ایک دم

دبک گئیں۔
”بہو سکینہ کی زندگی میں ہمارے یہاں ایک بڑا دستر خوان لگتا تھا، اب دو الگ الگ جگہ کھانا کھایا جاتا ہے، تم لوگوں کی ضد پر کچن الگ ہوگیا۔ ہم ایک بیٹے کے ساتھ کھانا کھاتے ہوئے خود کو نامکمل محسوس کرتے، اسی لیے، یہ انتظام کیا کہ کم از کم چھٹی والے دن تو ایک ساتھ ناشتہ کھانا کھایا جاسکے، اور دلوں میں موجود فاصلے کم ہوجائیں مگر لگتا ہے تم لوگوں کو ہماری ایک دن کی خوشی بھی منظور نہیں چلو کوئی بات نہیں۔ اگلے اتوار سے ہم اکیلے ہی گزارا کرلیں گے۔“ ابرار خان نے بڑے دکھی انداز میں کہا تو ان کے برابر میں بیٹھی سفینہ کی آنکھوں میں موتی چمک اٹھے۔ بڑھاپے میں انسان اپنی اولاد کے ہاتھوں کتنا مجبور ہوجاتا ہے۔
”ابا جی! آپ پریشان نہ ہوں، ہم نے آپ کی ہدایت پر اپنی بیویوں کو کچن الگ کرنے کی اجازت تو دے دی، مگر ان کی ہر بات نہیں مانی جاسکتی۔ ہم تو آپ کے ساتھ ہی چھٹی والا دن گزاریں گے۔ باقی ان لوگوں کی مرضی جو دل چاہے کریں۔“ جلال اور بہزاد نے یک زبان ہو کر کہا۔
”ہم بھی دادا ابا کے ساتھ چھٹی والا دن گزاریں گے۔“ ایک طرف سے سفینہ تو دوسری طرف سے فائز نے ابرار خان کو تھام کر پیار سے کہا تو ان کا ملال جاتا رہا۔ ریحانہ اور سائرہ کے چہرے فق رہ گئے، انہوں نے کینہ توز نگاہوں سے محبت کا یہ نظارہ دیکھا اور سر جھکا کر ناشتہ کرنے میں مصروف ہوگئیں۔



ابرار خان بہت ہی دور اندیش انسان تھے، انہیں اپنی بیوی سکینہ اور دونوں بیٹوں سے بہت محبت تھی، اس لیے بیٹوں کو ساتھ رکھنے کے لیے بڑا سا گھر ”خان ہاؤس“ بنایا جہاں نیچے کی منزل پر ان کے بڑے بیٹے جلال خان اپنی بیوی سائرہ اور بیٹے فائز خان کے ساتھ رہتے اور چھوٹا بہزاد خان بیوی ریحانہ اور بیٹی سفینہ کے ساتھ اوپری منزل پر رہتے تھے۔ جب تک سکینہ زندہ رہیں ان سب کا کھانا پینا ایک ہی جگہ ہوتا۔ ساس نے دونوں بہوؤں کی باری باندھ دی، نہ چاہتے ہوئے بھی ایک دن ریحانہ کچن سنبھالتی تو دوسرے دن سائرہ۔
سکینہ ایک بہترین انتظام کار تھیں یہ ہی وجہ ہے کہ خان ہاؤس کے حالات جتنے بھی مخدوش ہوں گھر کے مردوں کو ہوا نہیں لگنے دیتیں، آپس کے جھگڑے خود ہی سلجھالتیں، مگر چھ مہینے قبل جب ایک رات دل کا دورہ پڑنے سے وہ اس دنیا میں نہ رہی تو، سب کچھ تلپٹ ہو کر رہ گیا۔ دلوں کا نفاق کھل کر سامنے آگیا۔ گھر کے مرد روز روز کے جھگڑوں سے تنگ آگئے۔ ابرار خان نے پہلے تو چپ کر کے تماشہ دیکھا، مگر جب بات ”تو تو میں میں“ تک جا پہنچی تو دل پر پتھر رکھ کر ایک دن بہوؤں کو کچن علیحدہ کرنے کی اجازت دے دی۔ ان لڑائیوں کے پیچھے سائرہ کی تنگ دلی کا زیادہ ہاتھ تھا۔ دراصل جلال خان کا ٹائروں کا بزنس تھا، شہر میں ان کی چلتی ہوئی بڑی دو دکانیں تھیں۔ جبکہ بہزاد نوکری پیشہ انسان تھے۔ کیوں کہ بڑے بھائی کی آمدنی چھوٹے کے مقابلے میں زیادہ تھی اس لیے سکینہ نے گھر کے زیادہ خرچوں کا بوجھ بھی جلال کے کاندھوں پر ڈال دیا، ان کی زندگی میں تو سائرہ پھر بھی دبی رہیں مگر بعد میں خوب جتاتیں، انہیں اپنے شوہر کی کمائی کا بڑا زعم تھا، اسی لیے جس کو دل چاہتا سنا دیتی، سب سے بڑا شکار دیورانی ریحانہ بنتی، ویسے بھی خاندان بھر میں سائرہ تیز اور جھگڑالو عورت کے طور پر بدنام تھیں۔
اب گھر کے ہر معاملے میں ریحانہ کے ساتھ ناانصافی ہونے لگی۔ وہ ایک حساس عورت تھیں۔ شوہر کی کم آمدنی کا احساس انہیں کچوکے لگاتا، اس پر سائرہ کی تیز زبان۔ وہ ایک دم پریشان ہو کر رہ گئیں۔ ریحانہ نے شروع سے جٹھانی کو عزت دینا چاہی، مگر ہر وقت کے طنز اور بات بہ بات کے طعنوں نے دل سے عزت بھی ختم کردی۔ ریحانہ چڑچڑی

ہو کر سائرہ کے رنگ میں ڈھل گئیں۔ جب سے کچن علیحدہ ہوا، انہیں آزادی حاصل ہوئی۔
"اب وہ کم کھاتیں مگر غم نہ کھاتیں۔" کیوں کہ چوٹ برابر کی تھی۔

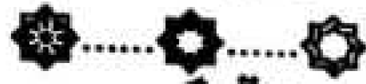


"اماں! نرما کے بھائی کئی سال سے ہمیں امریکا بلوانے کی کوشش کررہے تھے، اتنے سالوں بعد اب جانے کا انتظام ہوا ہے۔" شکیل نے دلشاد کے کمرے میں داخل ہو کر دھماکا کیا۔
"ک.....کیا.....کہاں جارہے ہو؟" دلشاد کے پہلے تو کچھ سمجھ میں نہیں آیا، پھر عقل نے کام کرنا شروع کیا تو وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے، بہو بیٹے کو تکتے ہوئے پوچھنے لگیں۔
"امریکا جارہے ہیں، ہماری قسمت کام کرگئی اور بھائی کی کوششوں سے ویزہ لگ گیا۔" نرما نے شوہر کو جھجکتے دیکھا تو فوراً بتایا، دلشاد بہو کے لہجے کی اتراہٹ پر جل کر رہ گئیں۔ رانی کو بھی گھور کر دیکھا۔ جو منہ پھاڑے کھڑی سب سن رہی تھی۔
"شکیل! تیرا خون کیسے اتنا سفید ہوگیا؟ بوڑھی ماں کا بھی خیال نہیں آیا۔" دلشاد ایک دم کھڑی ہوئیں اور بیٹے کا گریبان تھام کر جھنجھوڑا۔
"کیا کروں، اماں! یہاں حالات نے اتنا ستایا ہے۔ اب مزید گزارا نہیں ہوتا۔" شکیل کے پھٹ پڑنے پر دلشاد کو نگاہیں چرانی پڑیں۔
"ہاں اب تو تیری زندگی میں بس بیوی ہی رہ گئی ہے۔ ماں والا خانہ تو نے اپنے ہاتھوں سے خالی کردیا ہے۔" دلشاد بیگم کا لہجہ ٹوٹا پھوٹا سا ہوگیا، آنکھوں میں نمی ابھر آئی۔ شکیل کے دل کو کچھ ہوا۔
"چلیں، ابھی اماں غصے میں ہیں۔ آہستہ آہستہ سمجھ جائیں گی۔" نرما نے شوہر کا ہاتھ تھام کر کھینچا، وہ ساس کی جذباتی بلیک میلنگ سے ڈر گئی۔
"میری پیاری اماں! کیوں پریشان ہوتی ہیں۔ میں وہاں سیٹ ہوجاؤں تو سب سے پہلے آپ کو بلواؤں گا۔" شکیل نے بیوی کا ہاتھ جھڑکا اور ماں کو بانہوں میں بھر کر طفل تسلیاں دیں، دلشاد کا ضبط جواب دے گیا، وہ زور زور سے رونے لگیں۔

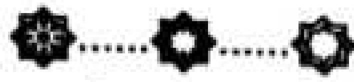


نازک سے ہاتھوں میں چھن چھناتی چوڑیاں، کانوں میں بالیاں، آنکھوں میں کاجل ہونٹوں پر لائٹ سی لپ اسٹک لگانے کے بعد اس نے جلدی سے پیروں میں تلے والا کھسہ پہنا۔
"اف! فائز نے ایک چکر بھی نہیں لگایا، کیا تو ذرا دیر کے لیے آجاتا، اب تو نکلنا ہی پڑے گا، ویسے ہی اتنی دیر ہوگئی ہے۔" سفینہ نے نگاہ اٹھا کر دیوار گیر گھڑی میں مایوسی سے وقت دیکھ کر ٹھنڈی آہ بھری۔
"سفی! چلو بھی دیر ہورہی ہے۔" ریحانہ کی پکار پر اس کے ہاتھ پاؤں مزید پھول گئے۔
"ساری مل کر مجھے کوس رہی ہوں گی۔" ماں کی آواز پر اس نے زبان دانتوں تلے دبا کر سوچا۔
"آئی امی!" استری اسٹینڈ پر رکھا دھنک رنگ دوپٹہ اٹھایا اور سر پر اوڑھتے ہوئے ماں کو جواب دیا اور نازک انگلیوں میں رنگ پہنتی ہوئی باہر کی جانب بڑھنے کا ارادہ کیا۔ کچھ سوچ کر لمحہ بھر کو رکی، واپس پلٹ کر آئینہ میں اوپر سے نیچے تک اپنا عکس دیکھا۔
"لگ تو اچھی رہی ہوں مگر افسوس، جس کے لیے اتنی تیاری کی ان صاحب کا دور دور تک پتا نہیں۔" سفینہ نے دل

ہی دل میں فائز کو برا بھلا کہا اور تیزی سے باہر نکل گئی۔
"توبہ، کتنی دیر لگاتی ہو۔ تم لوگوں کے تو سولہ سنگھار ختم ہی نہیں ہوتے۔ چلو اب تیزی سے قدم بڑھاؤ اگر تمہاری تائی جان محترمہ سائرہ جلال ہم سے پہلے تقریب میں پہنچ گئیں تو اب تک ہمارے سارے گناہ دھو چکی ہوں گی۔" ریحانہ نے چادر اوڑھتے ہوئے شرارت سے کہا تو سفینہ کھلکھلا اٹھی۔



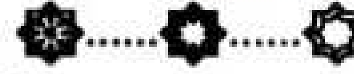
نرما کی جب شکیل احمد سے شادی ہوئی تو وہ بہت خوش تھی، گھر میں صرف دو افراد تھے، ایک میاں اور دوسری ساس۔ بہنوں نے سمجھایا، تم تو سسرال میں جا کر راج کرو گی، لڑکا اکیلا ہے۔ صرف ایک بوڑھی ساس ہیں وہ کونے میں پڑی رہیں گی، باقی سب کچھ تمہارے اختیار میں ہوگا، مگر اس کے تو سارے ارمانوں پر پانی پھر گیا۔
اصل میں نرما شروع سے ہی خوب صورت ہونے کے ساتھ تھوڑی نک چڑھی بھی تھی، گھر میں روپے پیسے کی کمی نہیں تھی، دو بھائی باہر تھے، بات منہ سے نکلنے سے قبل پوری ہو جاتی، اس لیے اس کے مزاج نہیں ملتے۔ گھر والوں نے شکیل کے ساتھ یہ ہی سوچ کر رشتہ طے کر دیا کہ بیٹی کا گزارا اس چھوٹے سے خاندان میں باسانی ہو جائے گا، مگر یہ بات ان لوگوں کی خوش فہمی ثابت ہوئی۔ دلشاد بیگم دس سسرالیوں پر بھاری پڑیں۔
شکیل کے والد کا کچھ برس پہلے انتقال ہو گیا تھا، نرما کی ایک ہی نند تھی، سائرہ جلال، جس کی بہت کم عمری میں شادی ہو گئی۔ ویسے بھی دونوں بھائی بہنوں کے بیچ عمروں کا کافی تفاوت تھا۔ وہ اپنے سسرال میں مصروف ہوتے ہوئے بھی ماں سے روزانہ فون پر بات کر لیتی، جس پر نرما کو اس وقت تک اعتراض نہیں ہوا، جب تک ماں بیٹی نے اس کا پیچھا لینا شروع نہیں کیا۔
بیٹی کی شادی اور شوہر کے انتقال کے بعد دلشاد بیگم کی تمام توجہ بیٹے پر مرکوز ہو گئی، اس کے سارے کام وہ اپنے ہاتھ سے کرتیں۔ شکیل بھی آفس سے واپس آتے ہی ماں کے ساتھ بیٹھ جاتا، ماں اپنی دن بھر کی روداد سناتیں، بیٹا سر ہلاتا رہتا، کبھی وہ خود دلشاد سے اپنے دن بھر کا احوال کہہ دیتا۔ وہ اگر کچن میں جاتیں تو بیٹا وہیں کرسی سنبھال کر بیٹھ جاتا، پھر چائے ناشتہ کر کے کچھ دیر کے لیے اپنے یار دوستوں میں نکل جاتا۔ مگر رات کا کھانا ہمیشہ اپنی ماں کے ساتھ کھاتا۔ چھٹی والے دن اکثر بیٹی اور نواسہ چلے آتے تو ان دونوں کی عید ہو جاتی۔ دلشاد بیگم زندگی کے معمولات سے بہت خوش اور مگن تھیں۔ شاید یہ ہی وجہ تھی کہ وہ بیٹے کی شادی کے مسئلے کو ٹالتی آ رہی تھیں، مگر کب تک، آخر شکیل کے سہرے کے پھول بھی کھل اٹھے اور نرما، اس کی زندگی میں مسکراتی ہوئی چلی آئی۔
گھر میں ایک فرد کا اضافہ ہوا تو لازمی طور پر شکیل کی توجہ بٹی، اب وہ زیادہ ٹائم بیوی کو دینے لگا، یہیں سے دلشاد کو بہو سے بیزاریت پیدا ہوئی، وہ جان بوجھ کر ان دونوں کے بیچ میں حائل ہونے کی کوشش کرتیں، شکیل کی آفس سے واپسی ہوتی اور گھر میں رسہ کشی کی کیفیت شروع ہو جاتی، دونوں کی کوشش ہوتی کہ زیادہ سے زیادہ اپنی محبت جتا سکیں، وہ بے چارہ پریشان ہو جاتا، اگر نرما چائے بنا کر لاتی تو، دلشاد کا اصرار ہوتا لسی پیو، جو انہوں نے دوپہر سے بنا کر فریج میں رکھ دی ہوتی کیوں کہ بقول ان کے چائے خون خشک کرتی ہے۔ وہ چائے پیتا تو ماں کا منہ بنتا، لسی پی لیتا تو بیوی روٹھ جاتی۔ ان حالات میں شکیل ماتھا پیٹتا کہ کس کو رضامند اور کس کو برہم کرے۔
دلشاد بیگم بیٹے کے سامنے بہو کی غلطیوں کو بڑھا چڑھا کر بیان کرتی اور کمرے میں نرما رو رو کر شوہر سے فریاد کرتی۔ شکیل احمد کوشش کے باوجود، رشتوں کے بیچ توازن قائم رکھنے میں ناکام رہا تھا، اسے محبت کی فراوانی سے بدہضمی ہونے لگی۔ اس پر اکثر جب بڑی بہن یہاں پہنچ کر اپنے پیار کا چھڑکاؤ کرتی تو وہ گھر سے باہر نکل جاتا۔



زندگی بہت سست انداز میں آگے بڑھ رہی تھی کہ ایک دن نرما نے ماں بننے کی خوش خبری سنا کر شکیل کا دل جیت لیا۔ اب وہ بیوی کا پہلے سے زیادہ خیال رکھتا۔ اس معاملے میں ماں کی بھی نہیں سنتا۔ مگر شاید قسمت کو اس گھر کا سکون منظور نہیں تھا، ایک دن شکیل کو اپنی نوکری سے جواب مل گیا۔ وہ مالی طور پر مجبور ہو کر رہ گیا۔ دلشاد بیگم کے ہاتھ اب ایک نیا تماشہ آ گیا، گھر میں پیسے کی تنگی شروع ہوئی تو وہ کسی طرح کے تعاون پر تیار نہ ہوئیں۔ بیٹے کو باتیں سناتیں جوان حالات میں بھی بیوی کے اللوتللوں پر پیسے خرچ کرتا۔ بہو کو طعنے دیتیں۔ یہاں تک کہ آنے والے بچے کو بھی نہ بخشتیں۔ جس کے دنیا میں آنکھیں کھولنے سے قبل ہی باپ پر یہ برا وقت آ گیا۔ نرما ذہنی اذیت کا شکار رہنے لگی۔ اس کے دونوں بھائی، بہانے سے خرچ کے لیے ہزاروں روپے بھیجنے لگے مگر دلشاد کسی کا احسان ماننے والی ہستی نہ تھیں۔ ان کی روش نہ بدلی جس کا خمیازہ شکیل احمد کو یوں بھگتنا پڑا کہ ایک دن نرما کی طبیعت اچانک خراب ہو گئی۔ وہ اسپتال جانے کے لیے بے قرار ہوتی رہی مگر دلشاد انجان بنی کمرے میں لیٹی رہیں، شکیل احمد ان دنوں ایک جگہ پارٹ ٹائم جاب کر رہا تھا۔

درد سے بے حال نرما نے بڑی دقت سے شوہر کو فون ملایا۔ وہ تیر کی طرح اڑتا ہوا گھر پہنچا مگر دیر ہو چکی تھی۔ وہ دونوں جب تک اسپتال پہنچے، نرما کا مس کیرج ہو چکا تھا۔ ڈاکٹر کے منہ سے یہ اذیت ناک بات سن کر وہ شوہر سے لپٹ کر اتنا روئی کہ شکیل کو بھی پہلی بار ماں کی سنگ دلی پر غصہ آیا۔

اس نے اب اس مسئلے کا مستقل حل تلاش کرنے کا سوچا، بیوی کے اسپتال سے گھر آنے سے پہلے سامان اوپر والے فلور پر شفٹ کر دیا۔ دلشاد نے بڑے بین ڈالے مگر وہ خاموشی سے اپنا کام کرتا رہا۔ نرما کے بھائیوں کو بھی بہن کی حالت پر افسوس ہوا، انہوں نے بہن بہنوئی کو امریکا بلوانے کی کوششیں تیز کر دیں۔ اوپر شفٹ ہو جانے کے بعد نرما کی زندگی میں تھوڑا سکون آ گیا۔ اب وہ اپنی مرضی سے جینے لگی۔ شکیل ماں کے پاس جا کر بہت دیر بیٹھتا، مگر ان کے شکوے ہی ختم نہیں ہو پاتے۔ وہ بدمزہ ہو کر اٹھ جاتا۔ وہ بہتر جاب کے لیے ہاتھ پاؤں مار رہا تھا کہ اچانک، نرما کے بھائیوں نے ان دونوں کا ویزہ لگنے کی خوش خبری سنا دی۔ نرما کے پاؤں تو خوشی کے مارے زمین پر ٹک ہی نہیں رہے تھے۔ شکیل بھی اب کسی کو کچھ بتائے بناء خاموشی سے باہر جانے کی تیاریوں میں مشغول ہو گیا تھا۔



برآمدے میں رکھے گئے آرائشی ستونوں پر بنے بیضوی چوڑے منہ کے گل دانوں میں پانی بھر کر اس پر گلاب کی پتیوں کو سجا دیا گیا تھا۔ گل دانوں کے اطراف میں سجی ہوئی شمع کی روشنی ماحول کا فسوں بڑھا رہی تھیں دیواروں کو سرخ گلاب اور گیندے کے زرد پھولوں سے سجایا گیا تھا، باقی کمی جلتی بجھتی آرائشی قمقموں کی لڑیوں نے پوری کر دی تھی' فائز نے اپنے ٹیرس سے سر نکال کر پڑوس میں جھانکا۔

''زبردست تیاری ہے۔'' اس نے لڑکیوں کی محنت کو سراہا جنھوں نے پورا دن لگا کر مایوں کے لیے یہ سجاوٹ کی تھی۔

لان کے ایک سائیڈ پر دھری لکڑی کی چوکی پر سبز تخت پوش بچھا کر اسٹیج کی شکل دی گئی۔ اردگرد کرسیاں لگا کر خواتین کے بیٹھنے کا انتظام کیا گیا تھا۔ درمیان میں سفید چاندنی بچھا کر ڈھولک اور دف رکھ دی گئی تا کہ دلہن کی سہیلیاں گانا بجانا کر سکیں۔

''یہ سنی کہیں دکھائی نہیں دے رہی؟'' فائز نے ٹیرس سے اچھا خاصہ نیچے کی طرف جھکتے ہوئے، وہاں بیٹھی خواتین کا جائزہ لیا۔

اچانک دل کی مراد پوری ہوئی، دلہن شازیہ اندر سے سہیلیوں کی جھرمٹ میں سج سج کر قدم رکھتی باہر آرہی تھی، اس کے بالکل برابر میں سفینہ سرخ زرتار دوپٹہ تھامے کھڑی تھی۔ دلہن کو لا کر تخت پر بٹھایا گیا۔ شازیہ زرد اور سبز لباس کے امتزاج سے بنا مایوں کا جوڑا زیب تن کیے، چہرہ گھونگھٹ کی اوٹ میں چھپائے مزید جھک کر بیٹھ گئی۔ اس کے برابر میں سبز پیراہن میں بنی سنوری سفینہ کھڑی تھی، فائز کی نگاہیں اس پر جم گئیں۔ وہ سب شازیہ سے چھیڑ چھاڑ کررہی تھیں، کسی بات پر سفینہ بڑی دلکشی سے کھکھلائی۔ فائز نے جلدی سے موبائل کیمرے میں اس یادگار لمحے کو قید کرلیا۔

"اف! کتنے دنوں بعد بغیر کسی پابندی کے اسے دیکھ رہا ہوں۔" وہ خوش ہوکر سوچنے لگا، ایک ہی گھر میں رہتے ہوئے دونوں ایک دوسرے کے سائے سے بھی بھاگنے پر مجبور تھے۔ فائز جانتا تھا کہ جس دن بھی اس کی مما کو بیٹے کے ارادے کی خبر ہوگئی اسی دن گھر میں بھونچال آجائے گا۔ اسے سفینہ کی عزت کا بہت پاس تھا یا شاید وہ اس سے جنون کی حد تک محبت کرتا تھا، جانتا تھا محتاط رہنے میں ہی ان کی محبت کی بقا تھی۔

فائز نے نگاہیں گھما کر پوری محفل کا جائزہ لیا تو اس کا قہقہہ نکل گیا، جسے اس نے منہ پر ہاتھ رکھ کر روکا۔ کرسیوں کی قطار کے ایک سائیڈ پر ریحانہ اور دوسری طرف سائرہ براجمان تھیں۔

"یہ دونوں نہیں سدھر سکتیں۔" اس نے سر کھجاتے ہوئے سوچا۔

لڑکے والے آچکے تھے، تھوڑی دیر بعد قریبی رشتے دار خواتین، مایوں کی رسم ادا کرنے میں مشغول ہوگئیں، وہ سب دلہن کو مٹھائی کھلاتے ہوئے سر پر سے پیسے وار کر سامنے بچھی تپائی پر رکھنے لگیں، فائز کے منہ میں پانی آگیا، میٹھا اس کی کمزوری تھا، خاص طور پر گلاب جامن مگر اس وقت وہ اس کی پہنچ سے بہت دور تھا۔

"چلو بھئی کڑیوں ڈھولکی شروع کرو۔" شازیہ کی امی کے اصرار پر لڑکیاں بیچ میں بچھی چاندنی پر بیٹھ گئیں، سب کی پرزور فرمائش پر سفینہ ڈھولک کی تھاپ پر میٹھے سُروں میں گانا گانے لگی۔ فائز سریلی لے میں کھو گیا، اس کی انگلیاں بھی منڈیر پر گانے کے ساتھ ساتھ تھرکنے لگی۔ کچھ سوچ کر ماں کو دیکھا تو اس کی توقعات کے عین مطابق وہ بے زار منہ بنائے سفینہ کے گانے کو ناگواری سے برداشت کررہی تھیں، جبکہ چاچی بیٹی کی حوصلہ افزائی کے لیے اس کے پیچھے جاکر کھڑی ہوگئیں تھیں۔

"یا اللہ! ان دو خواتین کی دشمنی میں ہمارے پیار کا کیا بنے گا؟" فائز نے آسمان کی طرف نگاہ اٹھا کر شکوہ کیا۔ تھوڑی دیر بعد ایک اور دلکش راگنی میں لڑکیوں نے مل کر وہ تان اٹھائی کہ رات جھوم اٹھی۔

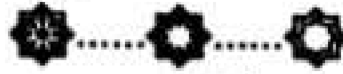
سائرہ پانی پینے کے بہانے سے اٹھیں اور آنکھوں پر ہاتھ کا چھجا بنا کر سر اٹھا کر اپنے ٹیرس کی طرف تاکا، ان کو شک ہوا کہ بیٹا وہاں کھڑا نہ ہو۔ سائرہ مسلسل اوپر دیکھ رہی تھیں مگر ان کو کچھ سجھائی نہیں دیا۔ ریحانہ نے منہ بنا کر سفینہ کو اشارے سے جٹھانی کی حرکت دکھائی، وہ ماں کے اشاروں پر جز بز رہ گئی۔

"اوہ تیری...... بھاگ بیٹا......" فائز اچھل پڑا نہ چاہتے ہوئے بھی وہاں سے ہٹنے میں ہی عافیت جانی۔ مایوں کا یہ فنکشن، پڑوسیوں کی بڑی بیٹی شازیہ کا تھا، جہاں محلے کی تمام خواتین مدعو تھیں، اگر ماں اسے یوں جھانکتا دیکھ لیتی تو بلاوجہ خان ہاؤس کا ماحول خراب ہوجاتا اور سفینہ کو جی بھر کر دیکھنے کی خوشی کرکری ہوکر رہ جاتی۔

"بچ گیا ورنہ امی نے گھر آکر کچومر بنا دینا تھا۔" فائز نے دھیرے سے پیچھے ہوتے ہوئے سوچا۔

وہ بھی سائرہ جلال کی اولاد تھا، یہاں کھڑے ہونے سے پہلے پوری پلاننگ کی تھی، ٹیرس کی لائٹس آف کر کے اندھیرا کردیا تھا۔ فائز سیڑھیوں سے نیچے اترا تو ایک سرشاری اس کے ساتھ تھی۔ سفینہ کا من موہنا سا پرکشش سراپا اس کی آواز کے سُر جو اپنا ہر راستہ پہچانتے ہوئے اس تک پہنچ گئے۔ وہ بستر پر لیٹ کر ان الوہی لمحات کو بار بار سیل فون پر

دیکھتا ہوا سو گیا۔ بقیہ رات خوابوں میں سفینہ اس کے سنگ ہوا کے دوش پر اڑتی رہی۔



ساری تیاری مکمل ہونے کے بعد جب شکیل نے ماں کو خبر دی دلشاد سینے پر ہاتھ رکھ کر گم صم بیٹھی ایک ہی بات سوچ جا رہی تھیں۔ دل کا درد برداشت نہ ہوا تو سائرہ کو فون کر کے وہ رونا دھونا مچایا کہ کوئی حد نہیں، شکیل کے باہر جانے کی بات سن کر سائرہ کے بھی ہوش اڑ گئے۔ اسے بھائی اور بھابی کی خود غرضی ایک آنکھ نہ بھائی، کچھ سمجھ میں نہیں آیا تو دوسرے دن رات کے کھانے کی دعوت دے ڈالی۔

''بھائی! تم تو امریکا چلے جاؤ گے مگر پیچھے ماں جو اکیلی رہ جائے گی، ان کا کیا ہوگا؟'' سائرہ نے کھانے کے بعد نرما کو فائزہ سے گپ شپ میں مصروف دیکھا۔ فوراً لیمن ٹی کا کپ تھامے شکیل کے برابر آ بیٹھیں۔

''مجھے بھی اماں کی فکر ہے مگر آپ تو یہاں موجود ہیں نا' رانی کو بھی کل وقتی ملازمہ کے طور پر رکھ لیا ہے۔'' نرما شکیل کو ذہنی طور پر تمام سوالوں کا جواب دینے کے لیے تیار کر کے لائی تھی، فوراً رٹا رٹایا سبق پڑھنا شروع کر دیا۔

''واہ بھئی واہ تم نے کیا اچھا حل تلاش کیا ہے۔ کیا اس طرح سے زندگی گزر سکتی ہے؟'' سائرہ نے جذباتی ہو کر تالی بجائی اور نرما کے کان کھڑے ہو گئے۔

''میں ویسے بھی وہاں پہنچتے ہی سب سے پہلا کام اماں کو بلانے کا کروں گا۔'' شکیل نے ماتھے کا پسینہ پونچھتے ہوئے بہن کو صفائی دی۔ نرما اٹھ کر ان دونوں کے بیچ آ کر بیٹھ گئی۔

''ایسا کرو ابھی تم اکیلے چلے جاؤ۔ نرما اور اماں کو بعد میں ایک ساتھ بلوا لینا۔'' سائرہ نے بھنویں اچکا کر نئی تجویز پیش کی، نرما کا دل جل جل کر کباب ہو گیا۔

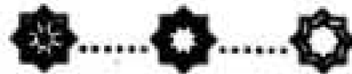
''آپی! اگر ہماری جگہ قسمت آپ کو یہ موقع دیتی تو کیا آپ اپنے بوڑھے سسر کی خدمت کے لیے یہاں رک جاتیں؟'' نرما نے میاں کی اتری شکل دیکھ کر خود میدان میں کودنے کا فیصلہ کیا۔ سائرہ کو بھابی کی بات بہت بری لگی۔

''میں تم سے نہیں اپنے بھائی سے بات کر رہی ہوں۔'' سائرہ نے نرما کو دودھ کی مکھی کی طرح اس مسئلے سے علیحدہ کرنا چاہا۔

''آپ اتنی غیر حقیقی باتیں کیسے کر لیتی ہیں؟ جس بھائی کی زندگی کا فیصلہ کرنے کی کوشش میں مصروف ہیں۔ اس کی ایک بیوی بھی ہے۔ ان کا بہتر مستقبل مجھ سے منسلک ہے اس لیے آپ مجھے اس مسئلے سے الگ نہیں کر سکتیں۔'' نرما نے بھی چیخ کر جواب دیا۔

''مما! پلیز۔'' فائزہ نے گھبرا کر ماں کو اشارہ کیا، جو سرخ ہوتے چہرے سے نرما کو گھورنے لگی۔ اتنے میں جلال اندر داخل ہوئے تو سائرہ کو خود پر قابو پانا پڑا۔

''بھائی! اماں پر یہ ظلم نہ کرو۔'' سائرہ سے کچھ اور نہ بن پڑا تو جاتے ہوئے شکیل سے چپکے سے استدعا کی تو شکیل نے سر ہلایا مگر وہ بھی کیا کرتا امریکا کی شکل میں اسے اپنا محفوظ مستقبل دکھائی دے رہا تھا۔



آدھی رات کو وہ لان میں بیٹھے، بڑی حسرت سے خان ہاؤس کی در و دیوار کو تک رہے تھے۔ ہر سو پھیلی خاموشی، سکون بھی ان کے اندر کی بے چینی کو ختم نہیں کر پا رہا تھا۔ انہوں نے سر اٹھا کر آسمان کی جانب دیکھا، ستاروں کے درمیان چمکتا چاند انہیں اپنی طرح تنہا محسوس ہوا۔

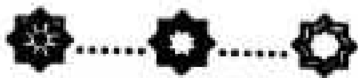
''سکینہ! مجھے تو یقین ہی نہیں آتا کہ تم اب اس دنیا میں نہیں رہی۔'' ابرار خان نے دکھ کی انتہاؤں کو چھوتے ہوئے

سوچا اور ہاتھ میں تھامی چھڑی کو کس کر دبایا۔
"دادا جان! آپ اتنی رات کو یہاں کیوں بیٹھے ہیں، چلیں اندر بہت دیر ہوگئی ہے اب سو جائیں۔" سفینہ جو ابرار خان کو دودھ دینے ان کے کمرے میں گئی تھی۔ ڈھونڈتی ہوئی لان میں نکل آئی۔
"بس بچے نیند نہیں آرہی تھی۔" وہ اداسی سے اپنی نرم دل پوتی کو دیکھتے ہوئے بولے۔
"اچھا چلیں آپ یہاں سے اٹھیں اور کمرے میں چل کر آرام کریں، کہیں طبیعت خراب نہ ہوجائے۔" سفینہ نے جھک کر بوڑھے دادا کو سہارا دیا۔ وہ پوتی کی ضد پر اٹھنے پر مجبور ہوگئے۔
"دادی کے انتقال کے بعد سے دادا جان کے قہقہے کہیں کھو گئے تھے، ورنہ وہ کتنے زندہ دل ہوا کرتے تھے۔" سفینہ انہیں تھام کر اندر کی جانب لاتے ہوئے سوچنے لگی۔
"سکینہ تمہارے جانے کے بعد میں کتنا اکیلا رہ گیا ہوں۔ کاش تم زندہ ہوتی تو زندگی اس قدر ویران نہ ہوتی۔" انہوں نے خان ہاؤس کے چاروں جانب دیکھتے ہوئے ٹھنڈی سانس بھری۔
کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ بھرے پرے خاندان کے ہوتے ہوئے بھی کسی ایک شخص کے چلے جانے سے نہ صرف انسان کی روح بلکہ بے جان دیواریں بھی سوگ مناتی ہیں۔



"ارے یہ کہاں سے آئی؟" سفینہ جیسے ہی کمرے میں داخل ہوئی، سامنے والی دیوار پر سنہری فریم کو آویزاں دیکھ کر حیران رہ گئی، بے خبری میں کھینچی گئی تصویر میں ہنستی ہوئی وہ بہت پیاری لگ رہی تھی۔ فائز پردے کے پیچھے چھپا کھڑا اس کے تاثرات کو انجوائے کر رہا تھا۔
"زبردست۔" وہ بے اختیار دیوار کے پاس گئی اور فریم پر ہاتھ پھیرتے ہوئے سراہا۔
"دیکھا میرا کمال۔ ویسے تم تصویر میں زیادہ اچھی لگتی ہو ورنہ تو بس گزارا ہے۔" فائز چپکے سے اس کے نزدیک آ کھڑا ہوا اور سرگوشی میں چھیڑا۔
"ہیلو مسٹر! آپ یہاں کیسے؟" وہ ایک دم اچھل پڑی۔
"بس جہاں تم وہاں ہم۔" فائز نے مسکرا کر کہنی ٹکائی۔
"اوہ! اچھا تائی اماں کی غیر موجودگی کا فائدہ اٹھایا جارہا ہے۔" سفینہ نے شرارت سے نچلا ہونٹ دبا کر اسے چھیڑا۔
"ہا...... ہا۔" اس کے تجزیے پر فائز کا دل کش مردانہ قہقہہ کمرے میں گونجا اور سفینہ نے سر پیٹ لیا۔ شکر تھا کہ ریحانہ اپنے کمرے میں سو رہی تھی۔ اس نے موقع دیکھ کر جلدی سے الماری کے نچلے خانے سے فریم نکالا اور سفینہ کے کمرے میں سجا دیا۔
"ہاں کچھ دیر پہلے ہی مما کو نانی کے گھر چھوڑ کر آیا ہوں۔" فائز نے سعادت مند بچوں کی طرح سر ہلا کر اقرار کیا۔
"وہ ہی تو میں حیران ہوئی۔" سفینہ نے ایک ادا سے کہا۔
"عشق میں ہم تمہیں کیا کیا بتائیں کس قدر چوٹ کھائی پڑتی ہے۔" فائز اسے تنگ کرنے کے لیے مزید چپک کر کھڑا ہوا اور گنگنانے لگا۔ وہ ایک دم بدک کر پیچھے ہٹی۔
"فائز! آپ نے تو اچھی بھلی غزل کا بیڑہ ہی غرق کر دیا۔ ویسے ہے حسب حال تائی اماں یہاں موجود ہوتیں تو آپ کو ایسی چوٹ لگاتیں جو ہلدی دودھ پینے سے بھی ٹھیک نہیں ہوتی۔" سفینہ نے بھی بدلہ اتارا۔
"لڑکی! اڑالو مذاق ہم بھی گن گن کر سارے بدلے لیں گے مگر بعد میں۔" فائز آگے بڑھا اور اس پر جھکتے ہوئے،

ایک آنکھ میچ کر لوفرانہ انداز میں کہا۔
"فائز......" سفینہ چیخی اور اسے دھکا دے کر دور کر دیا۔
"جی فائز......کی......" وہ بات ادھوری چھوڑ کر پیار سے اسے دیکھنے لگا، اس نے جلدی سے منہ موڑا اور جا کر فریم کے سامنے کھڑی ہو گئی۔
"یہ تصویر آپ نے کھینچی تھی؟" سفینہ نے بات بدلتے ہوئے پوچھا۔
"جی محترمہ! ہر اچھے لمحے کو قید کر لینا اس خاکسار کی عادت ہے۔" وہ اس کی کیفیت سمجھتے ہوئے خود پر قابو پا کر دوستانہ انداز میں بولا۔
"اچھی عادت ہے۔" سفینہ نے تصویر سے نگاہ ہٹائے بغیر جواب دیا۔
"سفی! میرا دل چاہتا ہے تمہیں بھی ایک حسین لمحے کی طرح اپنی زندگی کی تصویر میں ہمیشہ کے لیے قید کر لوں۔"
فائز ایک دم اس کے مقابل آیا اور اس کی تھوڑی پر انگلی رکھ کر چہرہ اوپر کیا۔ اس کا لہجہ محبت سے چور تھا۔
"پلیز...... بندہ آپ کے ساتھ کھڑا ہو کر دو گھڑی ڈھنگ سے بات بھی نہیں کر سکتا۔" سفینہ کا چہرہ ایک دم سرخ ہو گیا۔
"تمہاری چاہت، ریشم کی ایسی ڈوری ہے، جس میں نہ چاہتے ہوئے بھی الجھ گیا ہوں۔" فائز نے اس کے بالوں کی لٹ کو کھینچتے ہوئے دھیرے سے کہا۔
"اس ڈور کو توڑ دیں نا...... میں نے کیا قید کر رکھا ہے؟" سفینہ کے لہجے میں محبتوں کا مان تھا۔
"یہ ایسی قید ہے جس سے آزادی حاصل کرنے کی کوئی خواہش نہیں۔" اس کی آواز میں محبت کی گرم جوشی، جذبے لٹاتی آنکھیں، سفینہ گھبرا اٹھی۔
"آپ تو حد کرتے ہیں۔" وہ نگاہیں چراتی، اسے خود سے دور ہٹاتی باہر کی جانب بھاگی۔
"سنو کہاں چل دیں۔ ایک منٹ رکو تو ابھی کچھ اظہار باقی ہے۔" فائز اس کے پیچھے آواز دیتا ہوا باہر نکلا مگر وہ جانے کہاں غائب ہو گئی تھی۔



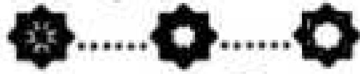
اماں! میں نے آپ کی مشکلوں کا حل ڈھونڈ لیا ہے۔" رانی نے دلشاد کے نزدیک پہنچ کر سرگوشی کی۔
"دفع، دور کمبخت تجھ سے کچھ نہیں ہونے والا۔" دلشاد نے سڑا ہوا منہ بنا کر رانی کو دھتکارا۔
"نہیں سچ میں اماں! اس بار پکا کام ہو جائے گا۔" رانی نے اپنی کوشش جاری رکھی اور پیلے دانت چمکا کر بولی۔
"وہاں بہورانی نے جانے کی پیکنگ بھی کر لی اور تجھے کچھ خبر ہی نہ ہوئی۔ جھوٹی! مجھے تو یقین ہے کہ تو خود نرما سے ملی ہوئی ہے۔" ساری باتوں کی خبر تھی مگر مجھے آخر تک ہوا نہ لگنے دی ورنہ میں اپنے بیٹے کو روک نہ لیتی۔" دلشاد کا صدمہ کم نہیں ہو رہا تھا، رانی کو دو ہنٹر مارتے ہوئے چنگھاڑی۔
"اماں! تم بھی اپنی دشمن خود ہو تمہارے ساتھ کوئی نیکی کیسے کرے؟" رانی نے جھاڑو زور سے پٹخ کر کہا۔
"چل دفع دور بڑی آئی مجھے سبق پڑھانے والی۔" دلشاد نے اسے دوبارہ جھڑکا۔ آج کل ان کا دماغ ٹھکانے پر نہیں تھا، جھاڑ کا کانشانہ ہر ایک سے الجھے جا رہی تھیں۔
"بہو بیٹے پر زور نہیں، مجھ غریب پر ہی شک کرنے لگی۔" رانی کو برا لگا، اس نے آئینہ دکھانے میں کسر نہ چھوڑی۔
دلشاد ایک دم چپ ہو کر سوچ میں پڑ گئیں۔

''اچھا اماں' غصہ تھوکو اور میری بات سنو۔'' رانی نے تھوڑی دیر بعد دوبارہ بات شروع کی۔
''اچھا بول کیا بات ہے؟'' دلشاد نے تھوڑی دلچسپی دکھائی تو وہ پھسکڑا مار کر ان کے قریب بیٹھ گئی۔
''تم ایک بار میرے ساتھ ''مکی بابا'' کے پاس چلو سارے مسئلے ہوجائیں گے۔'' رانی نے انہیں للچایا۔
''بابا...... کون سے بابا......؟'' دلشاد نے رازداری سے پوچھا۔
''وہ کوئی ایسے ویسے نہیں' بہت پہنچے ہوئے مکی والے بابا ہیں۔ بس آپ ایک بار مل لیں' یقین کریں سارے مسئلے حل ہوجائیں گے۔'' رانی نے آنکھیں چمکا کر انہیں شیشے میں اتارنا شروع کیا۔
''اماں! سچ میں آپ جس دن سے پریشان ہیں میں نے ساری بہنوں سے اس مسئلے کا حل پوچھا۔ میری بہن شہزادی نے مجھے ایک پہنچے ہوئے بابا کا پتا ڈھونڈ کر دیا ہے' اس نے بتایا کہ بابا ایسا عمل کریں گے کہ تمہاری بہو بیٹا امریکا تو چھوڑ لاہور تک نہیں جاسکیں گے۔'' رانی نے بے تکا مذاق کیا۔ دلشاد سوچ میں گم ہوگئی۔
''مکی والے بابا۔'' دلشاد زور سے بولتے ہوئے رانی سے کرید کرید کر بابا کی کرامات کے بارے میں سوال کرنے لگی ہما جو کسی کام سے اندر آرہی تھی' یہ سب سن کر لمحہ بھر کے لیے سن رہ گئی۔



فائز ٹیرس پر کھڑا کسی سوچ میں گم تھا۔ جلال خان چلتے ہوئے بیٹے کے پیچھے آکھڑے ہوئے۔
''کیا سوچ رہے ہو بیٹا؟'' انہوں نے فائز کے کاندھے پر نرمی سے دباؤ ڈالا۔
''کچھ نہیں پاپا!'' اس نے مڑ کر دیکھا اور دھیرے سے کہا۔ مسکرانے کی کوشش بھی کی مگر چہرے پر دکھ کے آثار واضح تھے۔
''اپنے باپ سے بھی چھپاؤ گے۔'' انہوں نے اصرار کیا۔
''اتنی جگہ انٹرویو دے کر آیا ہوں میرٹ پر کوالیفائی کرنے کے باوجود سفارشیوں کے ہاتھوں مات کھا جاتا ہوں۔'' وہ ایک دم پھٹ پڑا۔
''ہونہہ...... یہی تو اس معاشرے کا المیہ ہے' جو قابل ہیں وہ جوتیاں چٹخاتے پھر رہے ہیں اور نااہل لوگ بڑی بڑی سیٹوں پر قابض ہیں۔'' جلال نے تلخ سچائی دہرائی۔
''بس اسی لیے سوچ رہا ہوں کہ ملک سے باہر چلا جاؤں' میرا ایک دوست انگلینڈ میں ہے' وہ مجھے بلا رہا ہے۔'' فائز نے افسردگی سے کہا۔
''کیا...... !اچانک اتنا بڑا فیصلہ......؟'' وہ بیٹے کی بات پر اچھل پڑے۔
''پاپا...... اچانک نہیں میں بہت دن سے اس مسئلے پر سوچ رہا تھا۔ دوست سے ای میل پر بات چیت بھی چل رہی تھی۔ جب اس ملک میں کسی کی قدر ہی نہیں تو یہ بات اچھی نہیں کہ میں کسی دوسری جگہ جا کر اپنی قسمت آزماؤں۔'' فائز کا بیزار لہجہ اور پھیکی مسکراہٹ ان کو افسردہ کر گئی۔
''ٹھیک ہے یہاں کہ حالات تمہارے لیے آج موافق نہیں۔ مگر اس کا مطلب یہ نہیں آپ سب کچھ چھوڑ چھاڑ سات سمندر پار جا بیٹھیں۔'' وہ ناراض ہونے لگے۔
''پاپا! مجھے شرم آتی ہے کہ میں جوان ہو کر آرام کروں اور آپ اس عمر میں اتنی محنت کریں۔'' فائز نے نگاہیں چرائیں۔
''اچھا تو اس میں کیا مشکل بات ہے۔ تم کل سے میری شاپ سنبھال لو۔'' جلال نے اپنے دل کی بات کہی۔

''یہ ہی تو مشکل ہے مجھے شروع سے یہ کام پسند نہیں۔ میں اپنی فیلڈ میں جاب کرنا چاہتا ہوں۔'' فائز یہ کہہ کر نظریں چراتا ہوا تیزی سے پلٹ گیا۔ جلال خان نے ٹھنڈی سانس بھر کر اپنی جوان اولاد کی چوڑی پشت دیکھی۔



''چاچی سے پوچھو کچھ منگوانا ہے؟'' فائز جو بازار سے کچھ سامان لینے جارہا تھا، اس نے گیٹ کے پاس کھڑی سفینہ سے عادت کے مطابق پوچھا۔

''اچھا ایک منٹ ٹھہرنا۔'' وہ اثبات میں سر ہلا کر اندر کی طرف بڑھ گئی۔

فائز کنفیوز سا گاڑی نکال کر چاچی کے انتظار میں گیٹ کے باہر موجود نیم کے تنے سے ٹیک لگائے کھڑا رہا۔

''ہاں یہ لسٹ پکڑو۔ ممی نے کہا ہے کہ ساری چیزیں لیتے آنا۔'' سفینہ ہانپتی کانپتی دوڑتی ہوئی واپس آئی اور ایک لمبی سی لسٹ اسے تھمادی۔

''یہ سب چاچی نے لانے کو کہا ہے؟'' فائز نے سرسری سی نگاہ لسٹ پر ڈالی اور حیرت سے پوچھا۔

''ہاں تو اگر نہیں لانا تو بتادو۔'' وہ ایک دم اکڑ کر بولی۔ فائز سر ہلاتا گاڑی کی جانب بڑھ گیا۔

دو گھنٹوں بعد وہ تھیلوں سے لدا پھندا گھر واپس آیا، اس کے والٹ میں موجود پیسے ختم ہوگئے تھے مگر سامان کی لسٹ ختم نہیں ہوئی تھی۔ وہ سیڑھیاں چڑھ کر اوپر آیا تو سامنے ٹی وی لاؤنج میں ریحانہ بیٹھی کوئی کنگ شو دیکھ رہی تھی۔

''چاچی! یہ میں کافی سامان تو لے آیا ہوں مگر کچھ چیزیں ابھی بھی باقی رہ گئی ہیں۔'' فائز نے ریحانہ کے سامنے بڑا سا شاپنگ بیگ رکھا اور صوفے پر پیر پھیلا کر بیٹھ گیا۔ ریحانہ حیران ہو کر اسے دیکھنے لگیں۔

''کون اور کہاں کی لسٹ، تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے نا؟'' ریحانہ ایک دم خفا ہونے لگیں۔

''یہ دیکھیں۔'' اس نے تھیلے کی جانب اشارہ کیا۔ ریحانہ نے جھانک کر شاپنگ بیگ کا جائزہ لیا تو برگر، کولڈ ڈرنک، چکن پف سینڈوچ اور اسی قسم کی اشیاء دیکھ کر ان کا منہ کھلا کا کھلا رہ گیا۔

''یہ سب میں نے تو نہیں منگوایا؟'' ریحانہ نے حیرانگی سے کہا۔

''اچھا مگر سفی نے ہی تو یہ لسٹ دی تھی۔'' فائز نے ریحانہ کو دیکھا اور لسٹ تھمادی، وہ غور سے پڑھنے لگی۔

''ایک منٹ فائز!'' ریحانہ اسے وہیں ٹھہرا کر تیز تیز قدموں سے اندر کی جانب بڑھ گئیں۔

''بیٹا! دال میں کچھ تو کالا ہے۔'' پہلے کھانے پینے کا اتنا ڈھیر سارا سامان منگوالیا، اب کچھ بتائے بغیر اندر غائب ہوگئیں۔'' وہ سر پر ہاتھ رکھے وہیں صوفے پر ٹکا رہا۔

''ممی! پلیز، کان تو چھوڑیں۔'' ریحانہ سفینہ کو کان سے پکڑے باہر لے آئیں۔

''اوہ تو یہ ان محترمہ کی حرکت تھی۔ میں بھی کتنا پاگل ہوں، غور کر لیتا تو پتا چل جاتا کہ یہ سفینہ کی شرارت ہے، بھلا چاچی ایسا کیسے کرسکتی ہیں؟'' وہ سمجھ گیا اور مصنوعی غصے سے اسے گھورا۔

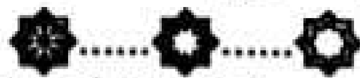
''یہ سب کیا ہے؟'' ریحانہ نے انگلی سے شاپنگ بیگز کی طرف اشارہ کیا۔

''ارے بھئی میری سہیلیوں نے آج شام کو یہاں آنا تھا اگر ان سے ویسے ہی کچھ منگواتی تو سو نخرے کرتے۔ آپ کا نام سن کر لے آئے۔'' سفینہ نے شرارتی انداز میں فائز کو زبان چڑائی۔

''سفی! مجھ سے پوچھا تو ہوتا خیر میں ابھی آئی۔'' ریحانہ نے بیٹی کو دانت کچکچا کر دیکھا اور واپس اندر چلی گئیں۔

''تم ایک بار کہہ کر تو دیکھتی دھوپ میں پیدل ہی چل پڑتا۔'' فائز نے چاچی کے منظر سے ہٹنے کا فائدہ اٹھاتے ہوئے پیار سے اس کا ہاتھ پکڑ کر کہا۔

''بس......بس میں تو جیسے تمہیں جانتی ہی نہیں ہوں نا۔'' وہ بھی اترائی اور اپنا ہاتھ چھڑایا۔
''اچھا اب میں نیچے بھاگوں ورنہ مما میری چٹنی بنانے اوپر آجائیں گی۔'' فائز کو خیال آیا تو مسکراتا ہوا اسٹرمی والے راستے کی جانب بڑھا۔
''فائز......ذرا سننا۔'' پیچھے سے ریحانہ نے آواز لگائی، وہ رک گیا۔
''جی......چاچی کیا ہوا؟'' وہ خوش دلی سے مڑا۔
''بیٹا! یہ پیسے رکھ لو اس لڑکی کو تو عقل نہیں۔ مہینے کا آخر ہے اور فضول خرچیوں میں پڑ گئی۔ سہیلیوں کے لیے گھر میں بھی کچھ بنایا جاسکتا تھا مگر بس۔'' انہوں نے بیٹی کو قہر بھری نگاہوں سے دیکھتے ہوئے، فائز کو کچھ نوٹ زبردستی تھمانا چاہے، وہ بدک کر پیچھے ہٹا۔ سفینہ کا چہرہ ایک دم سفید پڑ گیا۔
''چاچی! میں اتنا غیر کب سے ہوگیا؟ اب اتنی سی چیزوں کے پیسے لوں گا۔'' اس کی شفاف پیشانی عرق آلود ہوگئی۔ وہ جانتا تھا کہ چاچا کی کم آمدنی میں، سفینہ کتنا دل مار کر زندگی گزار رہی ہے، وہ اس کی خوشی کے لیے کچھ بھی کرسکتا تھا۔
''نہیں یا تم پیسے لو یا پھر سارا سامان اٹھا کر لے جاؤ۔'' ریحانہ ضد پر اڑ گئیں۔
''مجھے بہت افسوس ہوا خیر۔'' فائز نے بے دلی سے پیسے اپنی پاکٹ میں رکھے، سامان واپس لے جانے کا تو سوال ہی نہیں ہوتا تھا۔
''ٹھیک کہہ رہے ہو، افسوس تو مجھے بھی ہوتا ہے جب بھابی ہمیں پیسوں کے طعنے دیتی ہیں۔ انہیں بھنک بھی پڑ گئی کہ تم اپنے پیسوں سے یہ سامان لائے ہو تو، تمہارے ساتھ ہماری بھی خیر نہیں ہوگی۔'' ریحانہ نے بے مروتی کی انتہا کرتے ہوئے طنزیہ انداز میں ہنس کر کہا۔
''میں مما کی بات ہی نہیں کر رہا مگر آپ کو مجھ پر تو اعتبار کرنا چاہیے تھا۔'' وہ سفینہ کو زخمی نگاہوں سے دیکھتے ہوا بولا اور سر جھکائے نیچے اتر گیا۔
''ممی! تائی اماں کی باتوں کے تو ہم سب عادی ہیں۔ اس میں فائز کا کیا قصور، آپ کو اس سے ایسے بات نہیں کرنی چاہیے تھی۔'' سفینہ نے منہ پھلا کر ماں سے شکوہ کیا۔
''اچھا اب تم ماں کو سکھاؤ گی کہ کس سے کیسے بات کرنی ہے۔'' ریحانہ ایک دم آؤٹ آف کنٹرول ہوگئیں، سفینہ سامنے رکھے شاپنگ بیگز سے بچ کر نکلتی ہوئی کمرے میں جا کر بند ہوگئی۔ ریحانہ سر پکڑ کر بیٹھ گئیں۔



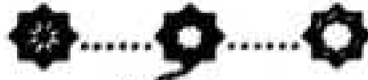
''تم نے اچانک باہر جانے کا پروگرام بنالیا، ہم سے ذکر کرنا بھی گوارا نہیں کیا۔'' وہ سب ابرار خان کے کمرے میں بیٹھے چائے سے لطف اندوز ہورہے تھے۔ انہوں نے پوتے کی جانب چہرہ گھما کر اچانک سوال کیا۔ سفینہ کو شاک پہنچا۔ بے یقینی سے فائز کو دیکھنے لگی جو اس سوال پر گڑبڑا اٹھا تھا۔
''بس بہتر مستقبل کے لیے کچھ ہاتھ پاؤں مارنا چاہ رہا ہوں ابھی تو ارادہ کیا ہے۔ کچھ اچھی خبر ملتی تو سب سے پہلے آپ کو بتاتا۔'' وہ اپنی صفائی دیتے ہوئے، ابرار خان کو ساری تفصیل بتانے میں لگا۔
''بیٹا! تم کو اڑان بھرنا اور نئی دنیا دیکھنے کا پورا حق ہے مگر اس کے لیے اپنا گھر چھوڑنا پڑے یہ بہت غلط بات ہے......'' ابرار خان اس کی بات سے متفق نہ ہوئے۔
''دادا جان مجھے بس چند سالوں کے لیے باہر جانا ہے میری جڑیں اسی مٹی میں ہیں۔ لوٹ کر تو یہیں واپس آؤں گا۔'' فائز نے خود پر قابو پاتے ہوئے کہا، ورنہ اسے خود بھی ملک چھوڑ کے جانے کی خواہش نہ تھی۔

اچھا ٹھیک ہے جیسی تمہاری مرضی۔“ ابرار خان کے لہجے میں تھکن سی اترنے لگی۔ سفینہ کی شکوہ کرتی نگاہیں فائز کے چہرے پر جم گئیں۔ اس کے دل کو کچھ ہوا۔

باقی لوگ خاموشی سے ساری گفتگو سن رہے تھے، سائرہ نے فاتحانہ نگاہوں سے دیورانی کو دیکھا، وہ پہلو بدل کر رہ گئیں۔

”چلو بیٹا! اللہ تمہارے راستے کی مشکلیں دور کرے۔“ بہزاد خان نے بھتیجے کی پیٹھ سہلاتے ہوئے نیک خواہشات کا اظہار کیا۔

”اچھا ہے کچھ تو کرے یہاں رہ کر تو بس فالتو کاموں میں پڑا رہتا ہے۔“ سائرہ نے ترچھی نگاہوں سے سفینہ کو دیکھا، جو اپنی نم آنکھوں کو چھپاتی وہاں سے باہر جا رہی تھی۔ فائز نے ماں کے انداز پر ہونٹ بھینچ لیے۔



”سنیں...... گھر میں ایک نیا تماشہ کھڑا ہونے والا ہے۔“ شکیل جیسے ہی تھکا ہارا گھر میں داخل ہوا، بیوی کو مضطرب سا کمرے میں ٹہلتے ہوئے دیکھا۔

”اچھا کیا مزید کچھ ہونے کو رہ گیا ہے؟“ وہ چڑ کر طنز پر اتر آیا اور جوتے اتارے بنا، بستر پر دراز ہو گیا۔

”جی ہاں اب جو اس گھر میں ہو رہا ہے وہ سن کر آپ کے ہوش اڑ جائیں گے۔“ نرما نے شوہر کے برابر میں بیٹھتے ہوئے کہا۔

”نرما! میں پہلے ہی تھک چکا ہوں، تمہاری پہلیاں سلجھانے کا ٹائم نہیں ہے جو کہنا ہے صاف کہو۔“ وہ منہ بنا کر بولتا ہوا اٹھ کر بیٹھ گیا۔

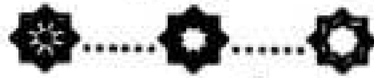
”اچھا تو بات یہ ہے کہ اب آپ کی اماں، ہم دونوں کو باہر جانے سے روکنے کے لیے کسی عامل کے پاس گئیں اور وہ تعویز گنڈوں میں پڑ گئی ہیں۔“ نرما کے انکشاف پر وہ اندر سے ہل گیا۔

”او مائی گاڈ ہم لوگوں پر یہ وقت بھی آنا تھا۔“ وہ سرتاپا لرز گیا اور سر تھام کر بیٹھ گیا۔

”پتا نہیں اماں نے آپ کی شادی کیوں کی۔ میرا وجود گوارا نہیں تھا تو آپ کو اپنے پلو سے باندھ کر رکھتیں۔ بلاوجہ دو زندگیاں تباہ کر دیں۔“ وہ بلبلا کر باتیں سنانے لگی۔

”شٹ اپ، جسٹ شٹ اپ۔“ وہ انگلی اٹھا کر اشارہ کرتے ہوئے چیخا تو نرما سہم کر اسے دیکھنے لگی۔

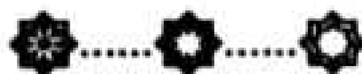
”غلطی صرف اماں کی نہیں تمہاری بھی ہے شروع سے مجھ پر حکومت کرنے کی خواہش میں اس بوڑھی عورت کو نظر انداز کیا۔ آج یہ وقت آ گیا کہ میری ماں الٹے سیدھے چکروں میں پڑ گئی۔“ شکیل نے ماں کی ساری غلطیاں بھلا کر بیوی کا احتساب شروع کر دیا۔ نرما پھٹی پھٹی آنکھوں سے شوہر کو دیکھنے لگی۔



وہ کالج سے باہر نکلی تو فائز کی گاڑی گیٹ کے باہر دکھائی دی۔ سفینہ نے اسے جان بوجھ کر نظر انداز کیا اور بس اسٹاپ کی جانب قدم بڑھا دیئے۔ اسے جب سے فائز کے ارادوں کی خبر ہوئی تھی، بات چیت کرنا بند کر رکھی تھی، نہ اس کا فون ریسیو کرتی، نہ ایس ایم ایس کا کوئی جواب دیتی، حد تو یہ ہے کہ جہاں اس کی موجودگی کا ذرا سا بھی اندیشہ ہوتا، اس جگہ کے قریب بھی نہ پھٹکتی۔ نیچے بھی ان ہی اوقات میں آتی جب وہ گھر سے باہر گیا ہوا ہوتا۔ فائز ایک جھلک دیکھنے کو ترس گیا تھا تو آج مجبور اُس کے کالج چلا آیا۔

”اے سنو تو۔“ فائز نے گاڑی میں سے منہ نکال کر آواز دی، سفینہ کی من موہنی سی ناراض شکل دیکھ کر، ایک دم بہت

سارا ٹوٹ کر اس پر پیار آنے لگا۔ وہ سنی ان سنی کر کے آگے بڑھتی چلی گئی۔
"سفی! شرافت سے گاڑی میں بیٹھ جاؤ۔ سب لوگ ہمیں ہی دیکھ رہے ہیں' بلاوجہ کا تماشہ بن جائے گا۔" فائز نے اسے زبردستی گاڑی کا دروازہ کھول کر بٹھایا۔ وہ دوسری طرف منہ پھیرے بیٹھی رہی۔
"ناراض ہو مجھ سے۔" فائز نے گاڑی کو پرسکون سڑک پر دوڑاتے ہوئے پیار سے ٹھوکا دے کر پوچھا۔
"نہیں تو میں اجنبیوں سے ناراض نہیں ہوتی۔" اس نے بھی باہر دیکھتے ہوئے نروٹھے پن سے جواب دیا، وہ ایک دم قہقہہ مار کر ہنسا۔
"ویسے انداز تو محبوباؤں والے ہیں اجنبی ایسے کب روٹھتے ہیں؟" فائز نے گلاسز اتار کر ڈیش بورڈ پر رکھا اور اپنی بھوری شرارتی آنکھیں اس پر ٹکا کر بولا۔
"مجھ سے بات نہیں کریں۔" وہ سر جھٹک کر بولی۔
"اوکے..... بات نہیں کرتے بس میں جو کہہ رہا ہوں وہ سن لو۔" فائز نے ایک ہاتھ سے اسٹیئرنگ سنبھالا دوسرے سے اس کا چہرہ اپنی جانب گھمایا۔
"جی بولیں۔" وہ روٹھے روٹھے لہجے میں بولی۔
"میں کس کے لیے یہ سب کررہا ہوں' ہم دونوں کے بہتر مستقبل کے لیے نا۔" وہ خلاء میں دیکھتے ہوئے خاصی سنجیدگی سے بولا۔
"مجھے ایسا مستقبل نہیں چاہیے جس کے لیے آپ کو دور جانا پڑے۔" وہ التجائیہ انداز میں بولی۔
"افوہ لڑکی' اچھا ہے ڈالرز کما کر لاؤں گا' تم دل بھر کر شاپنگ کرنا اپنی سہیلیوں کے سامنے اترانا۔" فائز سے اس کی اداس صورت دیکھی نہ گئی مذاق کرنے لگا۔
"مجھے ایسا پیسہ نہیں چاہیے۔" سفینہ کی آنکھوں سے آنسو گرنے لگے فائز بھی افسردہ ہوگیا۔
"پلیز اس طرح نہ رو تم میری طاقت ہو..... یوں کمزوری دکھاؤ گی۔ تو میں کیسے کچھ کر پاؤں گا؟" وہ ایک دم بے قراری سے ٹشو نکال کر اس کی گیلی آنکھوں کو خشک کرنے لگا۔
"آپ نہیں جائیں میں....." سفینہ نے مسلسل انکار میں سر ہلاتے ہوئے کہا، اس کے منہ سے الفاظ نہیں نکل رہے تھے۔
"ہمیشہ کے لیے تھوڑی جا رہا ہوں..... کچھ عرصے کی بات ہے۔ پھر واپس آؤں گا تو ہماری شادی ہوگی نا۔" فائز نے مسکراتے ہوئے اس کی چھوٹی سی ناک دبائی۔ شادی کے نام پر وہ شرما گئی۔
"آپ وہاں جا کر بدل گئے تو۔" اس نے اپنے جذبات پر قابو پا کر ایک نیا سوال کیا۔
"لو..... ایک مسئلہ حل ہوا تو..... یہاں دوسرا ایموشنل ڈرامہ شروع۔" فائز نے سر کھجاتے ہوئے کانوں کو ہاتھ لگایا۔
"فکر نہیں کرو جانے سے پہلے کوئی پکا کام کر کے ہی جاؤں گا۔" فائز نے اس کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر یقین دلایا اور گاڑی گھر کے سامنے لے جا کر روک دی۔
سفینہ اداسی سے فائز کو دیکھتی رہی۔ فائز نے جھک کر اس کے بال کی لٹ کھینچی جب کہ سفینہ اس کا ہاتھ تھام کر رونے لگی۔ وہ پیار سے اس کے آنسو اپنی انگلیوں پر چن رہا تھا اور چھت پر کپڑے پھیلاتی ہوئی سائرہ نے چونک کر نیچے کا منظر دیکھا اور تن فن کرتی سیڑھیاں اترنے لگیں۔



ملکی بابا کا آستانہ دن میں بھی اندھیروں میں ڈوبا ہوا تھا، نیم اندھیرے کمرے میں گھستے ہی باسی گلاب کے پھولوں اور اگربتی کی خوش بو کے ساتھ ایک عجیب سی بو نے استقبال کیا۔ میلی سی دری پر کچھ عورتیں بیٹھیں، عقیدت سے تسبیح پر کوئی ورد کررہی تھی۔

''ملکی بابا کی ابھی حاضری نہیں ہوئی ہے۔ ہم لوگ ٹھیک وقت پر پہنچ گئے۔'' رانی نے دلشاد بیگم کا ہاتھ گھسیٹ کر کمرے میں قدم رکھتے ہوئے کہا۔

وہ اس سے قبل کبھی ایسی جگہ نہیں گئی تھیں۔ دلشاد کا دل ایک دم اس ماحول سے فرار ہونے کی خواہش کرنے لگا، اسے یہاں آکر پچھتاوا سا ہوا مگر رانی کی امید افزا باتیں، اس نے سارے خیالات کو جھٹک دیا۔

اچانک اندرونی حصے سے نعرے سے بلند ہوئے، ایک لکڑی کے تخت کو کچھ مرد اور عورتیں اٹھائیں باہر لے آئیں، جس پر ایک کالا موٹا سا آدمی بیٹھا تھا، رانی نے انہیں ٹھوکا مارا اور دوڑ کر بابا کا تخت چوم کر انگلیاں آنکھوں پر پھیریں۔ دلشاد بیگم کے سوا دری پر براجمان تمام عورتوں نے یہ ہی حرکت کی تھی۔

''بی بی! بیٹے کو خود سے دور کرنا نہیں چاہتی ہو۔'' ملکی بابا نے اپنی موٹی موٹی سرخ آنکھیں کھول کر لحہ بھر میں پورے ماحول کا جائزہ لیا، پھر ان کی بھاری بھر کم آواز نے ماحول میں ارتعاش پیدا کردیا۔

''جی بابا! اس کی بہو بہت تیز ہے بیٹے اور ماں کے بیچ میں جدائی ڈال دی ہے۔'' رانی نے ان کی طرف سے جواب دیا۔ دلشاد بانو کے تو جیسے ہاتھ پاؤں کی جان ہی نکل گئی، ایک خوف سا ان کی روح میں سرائیت کرتا چلا گیا۔

''ہونہہ، ہوجائے گا سب ٹھیک ہوجائے گا۔'' بابا نے اپنے سامنے رکھی چاندی کی چھوٹی سی ملکی اٹھائی، اس میں گلاب کا ایک پھول ڈال کر کچھ دیر جھانکا، پھر ہاتھ اٹھا کر خوش خبری سنائی۔

''سچ بابا...... دیکھا میں نہ کہتی تھی بابا کے در سے کوئی مایوس نہیں جاتا۔'' رانی کی زبان فرائے بھرنے لگی۔

''مگر اس میں ایک مشکل ہے۔'' بابا نے ہاتھ اٹھا کر اسے چپ کرایا اور گھمبیرتا سے بولے۔

''اچھا وہ کیا بابا؟'' دلشاد بانو نے پہلی بار زبان کھولی۔

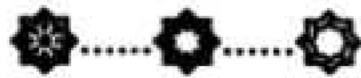
''سات ہفتے پورے سات ہفتے کالے بکرے کی سری آستانے پر لانی ہوگی اس کے بعد تمہاری کالے سر والی بہو کا سر تمہارے آگے جھکے گا۔'' انہوں نے ایک بار پھر ملکی میں جھانکا اور حل پیش کیا۔

''بابا! بی بی جی کا گھر سے اتنی بار نکلنا مشکل ہوگا۔'' رانی نے سینے پر ہاتھ رکھ کر ان کی ترجمانی کی۔

''اچھا ایسا کرو ان کی جگہ تم یہاں سری پہنچاتی رہنا اور ہم جو عمل بتائیں وہ گھر جا کر بی بی کو بتا دینا۔'' بابا نے جھومتے ہوئے کہا تو رانی نے دلشاد بانو کی طرف دیکھا۔ انہوں نے سر ہلا کر اجازت دے دی۔

''یہ لو بابا جی کا تعویز بیٹے کو دودھ میں گھول کر پلا دینا پھر اس کی کرامات دیکھنا۔'' وہ دونوں سلام کر کے الٹے پاؤں باہر نکل رہی تھیں کہ پیچھے سے ایک چیچک زدہ چہرے والی عجیب سی عورت نے روکا اور سفید کاغذ کی گولی تھمائی۔

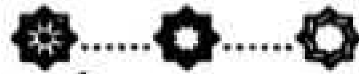
''اچھا شکریہ۔'' دلشاد بانو نے پرس کھول کر احتیاط سے تعویز رکھا تو وہ پرس میں جھانکنے لگی۔ رانی نے اشارہ کیا تو دلشاد نے کچھ پیسے نکال کر اسے تھمائے، وہ پیلے دانت نکالتی ہوئی واپس ہوگئی۔



''تمہارا دماغ تو ٹھیک ہے باہر اتنی گرمی پڑرہی ہے اور تم کہاں گاڑی لے کر غائب تھے؟'' سائرہ نے گھر میں گھستے ہی بیٹے کی کلاس لگائی۔

''مما! کیا ہوگیا ہے ذرا کام سے نکلا تھا۔'' فائز نے نرمی سے جواب دیا، اس کے پیچھے اندر داخل ہونے والی سفینہ

جلدی سے اپنے پورشن کی جانب بڑھنے لگی۔
''ایک منٹ تم دونوں جو کھیل میری آنکھوں کے سامنے کھیل رہے ہو وہ اپنے انجام تک نہیں پہنچے گا۔'' انہوں نے پیچھے سے جاکر سفینہ کا بازو مروڑا اور آگ بگولہ ہوکر بولیں۔
''تائی اماں! پلیز۔'' سفینہ کی آنکھوں میں درد سے پانی بہنے لگا۔
''مما! آپ کو ہو کیا گیا ہے کس طرح کی باتیں کررہی ہیں۔'' وہ اپنے لمبے چوڑے سراپا کے ساتھ ان دونوں کے بیچ میں حائل ہوگیا۔
''تم دونوں کہاں سے آرہے ہو؟ کیا شرم وحیا سب بیچ کھائی ہے۔'' سائرہ نے کمر پر ہاتھ ٹکا کر سوال کیا۔ ان کی چیخ دپکار پر اوپر سے ریحانہ اور اندر سے ابرار خان چھڑی سنبھالتے نکلے۔
''آپ...... سفی کے بارے میں اس طرح کی باتیں بالکل نہیں کریں، ہم نے کچھ غلط کام نہیں کیا۔'' وہ بھی آپے سے باہر ہوا۔
سفینہ جو تائی کے الزام سن کر تھر تھر کانپ رہی تھی، فائز کی حمایت پر ایسا، لگا جیسے وہ تپتی دھوپ سے چھاؤں میں آگئی ہو۔
''کیا مجھے اندھا سمجھتے ہو۔ میں نے اوپر سے تم دونوں کو خود گاڑی میں بیٹھا دیکھا ہے۔'' وہ بیٹے کے سامنے ڈٹ گئیں۔ ریحانہ نے بیٹی کی جانب افسوس بھری نگاہوں سے دیکھا۔
''بھوا تنا کہرام کس لیے مچایا ہوا ہے اگر وہ دونوں ساتھ گاڑی میں آئے ہیں تو اس کی کوئی وجہ بھی ہوسکتی ہے۔'' ابرار خان کے کرخت لہجے پر سائرہ کو وہاں ان کی موجودگی کا احساس ہوا تو تھوڑا دب گئیں۔
''آج سفی کے وین والے نے اچانک چھٹی کرلی، بہزاد نے کال کرکے بتایا تو ہم نے ہی فائز کو کہا کہ باہر گرمی بہت ہے، یہ بے چاری کہاں بسوں میں دھکے کھاتی پھرے گی، تم جاکر لے آؤ۔ فقط اتنی سی بات کا ایسا بتنگڑ بنادیا۔'' وہ گرجے کچھ سچ بولا کچھ پوتے کو بچانے کے لیے بات بنائی، فائز نے شکر بھری نظروں سے دادا کو دیکھا۔
''سفی! اگر ایسی بات تھی تو رکشہ کرلیتی' ان کا احسان لینے کی کیا ضرورت تھی چلو اوپر۔'' ریحانہ نے بیٹی کے نزدیک جاکر کلاس لگائی۔
''فائز! دیکھ لیا اچھائی کا صلہ اب چل کر کھانا کھاؤ۔'' سائرہ نے بھی فوراً ہی بدلا اتارا۔ ابرابر خان کی سوچتی نگاہیں بچوں اور ان دونوں کی ماؤں پر تھیں۔ انہوں نے دل میں ایک فیصلہ کیا اور اپنے کمرے میں پلٹ گئے۔



''زرمایہ ٹکٹ سنبھال کررکھو پیر کی شام پانچ بجے کی فلائٹ کنفرم ہوگئی ہے۔'' شکیل نے بیوی کے ہاتھ میں بھورے رنگ کا لفافہ تھمایا تو وہ خوشی سے کھل اٹھی۔
''شکر ہے۔ یہ بڑا مرحلہ حل ہوا ورنہ میں تو سوچ رہی تھی کہ اماں کی ڈرامے بازیوں سے کہیں شکیل کا ارادہ نہ بدل جائے۔'' وہ دراز میں لفافہ رکھتے ہوئے سوچنے لگی۔
''میں کھانا لگاؤں؟'' وہ پھرتی سے باہر کی جانب بڑھی۔
''ایک منٹ رک جاؤ...... مجھے بھوک نہیں تم سے بہت ضروری بات کرنی ہے ذرا یہاں آکر بیٹھو۔'' شکیل نے کھسک کر اپنے برابر جگہ بنا کر کہا۔
''کیا ہوا شکیل سب خیریت تو ہے؟'' زرمانے گھبرا کر شوہر کو دیکھا جہاں پچھتاوے کے عجیب سے رنگ جھلک

رہے تھے۔

''میری بات تحمل سے سننا۔'' شکیل نے اس کا ہاتھ تھام کر کہا تو وہ پریشانی سے سر ہلانے لگی۔

''اماں کو یوں اکیلا چھوڑ کر جاتے ہوئے میرا دل نہیں مان رہا، ابا کے بعد ایک میں ہی تو ان کا سہارا ہوں۔ وہ جیسی بھی ہیں۔ میری ماں ہیں اگر میرے معاشی حالات اس نہج تک نہ پہنچ جاتے کہ میں تمہارا خرچہ تک اٹھانے کے قابل نہ رہا ہوتا تو شاید میں یہیں رک جاتا مجھے سسرال سے یوں پیسے لینا اچھا نہیں لگتا۔'' شکیل کا لہجہ گلوگیر ہوا تو نرما کی آنکھیں بھی بھر آئیں۔

''آپ ایسا کیوں سوچ رہے ہیں میرے گھر والے اس طرح سے نہیں سوچتے۔'' وہ شوہر کو تسلی دینے لگی۔

''وہ تو ان لوگوں کی اچھائی ہے خیر، میں نے سارا حساب کتاب لکھ رکھا ہے ان شاء اللہ وہاں جا کر نوکری ملتے ہی سارا قرضہ اتار دوں گا۔'' شکیل نے بیوی کو زبردستی مسکرا کر دیکھا۔

''بس اس بات کی وجہ سے پریشان ہیں؟'' نرما نے اس کے بازو پر اپنا ہاتھ رکھ کر دلاسہ دیتے ہوئے پوچھا۔

''نہیں یہ ذکر تو بیچ میں آ گیا۔ میری تم سے ایک درخواست ہے جب تک ہم لوگ پاکستان میں ہیں۔ اماں کے ساتھ کھانا کھائیں گے وہ اگر تمہارے ساتھ کوئی برا سلوک بھی روا رکھے تو میری خاطر برداشت کر لینا، انہیں پلٹ کر جواب نہ دینا۔ بس تھوڑے دنوں کی تو بات ہے۔ میں جاتے جاتے انہیں مزید دکھ دینا نہیں چاہتا۔'' شکیل نے نرما کا ہاتھ تھام کر اس انداز میں التجا کی کہ نہ چاہتے ہوئے بھی اسے حامی بھرنی پڑی۔

''ایک آخری بات میں اب پیر تک اماں کے کمرے میں سوؤں گا۔'' شکیل نے تکیہ اٹھا کر باہر نکلتے ہوئے کہا تو نرما شوہر کو دیکھتی رہ گئی۔

''نرما! بس پانچ دن اور۔'' اس نے جانے کے دن انگلیوں پر گنے اور بازو آنکھوں پر رکھ کر لیٹ گئی۔ یہ موقع جھگڑنے کا نہیں تھا۔ اس لیے مجبوراً سب برداشت کرنا پڑا۔

''اماں! میں آج آپ کے کمرے میں ہی سوؤں گا۔'' شکیل اپنا تکیہ اٹھائے، ماں کے کمرے میں داخل ہوا تو دلشاد کھل اٹھیں۔

''کمال کر دیا بابا...... تعویز میں ایسا اثر دودھ حلق سے اترا نہیں اور میرا بچہ بیوی کو چھوڑ کر ماں کے پاس چلا آیا۔'' دلشاد بیگم نے سوچا اور بیٹے کے برابر میں بیٹھ کر بالوں میں انگلیاں پھیرنے لگیں۔

(ان شاء اللہ باقی آئندہ شمارے میں)

